اجتہاد کی شرعی حیثیت اور عصر حاضر میں اجتہاد کی عملی صورتیں

محمد تاج الدین*
ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری**

ABSTRACT

Ijtihad is an invaluable secondary source of the Muslim jurisprudence. In Islamic law, ijtihad refers to the independent interpretation of problems not precisely covered by the sacred scripture of Islam, Qur'an, and Prophetic traditions. The savants who undertake ijtihad must be firmly rooted in knowledge and savvy what the demands of the contemporary era are. Since new challenges call for innovative solutions, the faithful cannot genuinely live by Islam without their jurists deriving the laws of sharia from its sources.

Whenever complications arose in a Muslim community, the complication which the primary Islamic sources did not address, their religious leaders came up with answers drawn from the Qur'an and the Sunna. Thus a huge body of the Muslim jurisprudence evolved from the efforts of scholars. In the present time, on certain social, economic, religious and political issues the Muslim jurisprudence proposes scant

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور
** ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

support. However, adequately qualified jurists, in the light of the divine inspiration of the Qur'an, may come up with solutions to the current challenges by exercising original thinking.

The present dissertation deals with the legal status of ijtihad and investigates how ijtihad may be exercised in our time.

Keywords: اجتہاد، قانون، قرآن کریم، حدیث، تحقیق المناط، تنقیح المناط، تخریج المناط

اجتہاد اسلامی قانون کی توسیع و ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اجتہاد ایک نہایت مشکل اور نہایت کٹھن کام ہے۔ اس کے لیے شریعت کا گہرا علم بھی ضروری ہے اور ان حالات کے مالہ وماعلیہ سے بھی اچھی طرح واقف ہونا ضروری ہے جن کے بارہ میں شریعت کا حکم معلوم کرنا ہے۔ قانون بجائے خود بھی ایک مشکل چیز ہے، اس کے اندر حروف و الفاظ تو درکنار، کاما اور ڈیش تک کو بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جب تک کسی شخص کو شریعت کے براہ راست سمجھنے کا علم حاصل نہ ہو وہ قانون کی عام چیزوں کے سمجھنے کا حق بھی ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ اجتہاد کر سکے۔ اجتہاد میں معاملہ صرف قانون کی واضح دفعات کے سمجھ لینے ہی کا نہیں ہوتا بلکہ شریعت کے مضمرات و اشارات اور کتاب و سنت کے لوازم و مقتضیات کی روشنی میں نئے پیش آمدہ حالات کا شرعی حکم متعین کرنا ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے ظاہر ہے کہ نہایت اعلیٰ فنی قابلیت ضروری ہے۔ صرف فنی قابلیت ہی نہیں بلکہ ذوق سلیم بھی ضروری ہے۔ شریعت کے اعلیٰ علم اور اس کے فہم کے اعلیٰ ذوق کے بغیر کوئی شخص اجتہاد کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

ایک مسلم معاشرہ کے لیے اجتہاد کی ضرورت ایک مسلمہ امر ہے۔ زندگی جن حالات و تغیرات سے گزر رہی ہے ان میں کوئی مرحلہ بھی ایک مسلمان کے لیے ایسا نہیں آتا جس میں وہ اسلام سے استفتاء کا محتاج نہ رہتا ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ وہ زندگی میں جو قدم بھی اٹھائے شریعت کے مطابق اٹھائے۔

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اگر بعض ایسے مسائل پیش آئیں جن کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی واضح قانون نہیں بیان ہوا ہو، تو حالات و واقعات کے تناظر میں ان مسائل کو نظر انداز نہ کر دیا جائے بلکہ ان کو بھی اسلامی شریعت کے تحت لانے کی کوشش کی جائے اور اگر ان کے بارے میں واضح احکام نہیں ملتے تو شریعت کے عام احکام کے اشارات و کنایات سے رہنمائی حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

"إن استكمال شرائط الإجتهاد ليس من العسير في شئ بعد تدوين العلوم المختلفة، وتعدد المصنفاف فيها، وتصفية كل دخيل عليها- وها هم العلماء في كل عصر يجتهدون، ويرجحون بين أقوال الفقهاء السابقين، حتى انضبطت المذاهب، وحررت الأحكام"[۱]

"اجتہاد کی شرائط کی تکمیل اب کوئی مشکل کام نہیں جب کہ مختلف علوم مدون کئے جاچکے ہیں اور ان میں تصنیف شدہ کتابوں کی بڑی تعداد سامنے آچکی ہے اور اس میں شامل اضافی مواد کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اور دیکھیئے یہی علماء تھے ہر زمانے میں جو اجتہاد کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے اور سابقہ اقوال کے مابین ترجیح کا عمل انجام دیتے تھے اور حتی کہ مذاہب اسی طرح منضبط ہوئے اور احکام اسی طرح تحریر کئے گئے۔"

اجتہاد کا لغوی واصطلاحی مفہوم

اجتہاد کے لغوی معنی ہیں:

"بَذْلُ الوُسْعِ وَالَمجهود فِي طَلَبِ الاَمر"

"کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ اور کوشش کرنا۔"[۲]

لفظ اجتہاد جس طرح امور حسیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح امور عقلیہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ علمائے اصولیین کے ہاں اجتہاد کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں۔ ان تمام تعریفات کا حاصل یہی ہے کہ اجتہاد احکام شریعہ کے علم کے حصول میں مقدور بھر کوشش کا نام ہے۔[۳]

اجتہاد کا شرعی واصطلاحی مفہوم

اجتہاد کے لغوی معنی تو 'انتہائی کوشش کرنے' کے ہیں جبکہ شرعی اصطلاح میں اس انتہائی کوشش کو کہتے ہیں جو کتاب و سنت کے اشارات و مضمرات سے کوئی حکم معلوم کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کوشش کے باب

---

(۱) الزحيلى، وهبه بن مصطفى،الفقه الإسلامى وأدلته، دمشق، سوریہ، دار الفکر(۱: ۱۳۴)۔

(۲) ابن منظور، لسان العرب(۳: ۱۳۵) ؛ رازی، الشیخ الامام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی الحنفی، ۶۶۰ھ، مختار الصحاح، بیروت، لبنان، داراحیاء التراث العربی ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ (۱۱۴)۔

(۳) غزالی، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰۔۵۰۵ھ)۔ المستصفى من علم الاصول۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء (ص ۲۸۱)؛ اسعد عبد الغنی کفراوی، ڈاکٹر، الاستدلال عند الأصوليين، مصر، دار السلام، ۲۰۰۵(۳۰۸)۔

میں پہلی چیز جس کی طرف خود لفظ اجتہاد اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کوشش سہل انگارانہ یا نیم دلانہ نہیں ہونی چاہئے بلکہ پورے دل و جان سے ہونی چاہئے۔ اور تحقیق و تلاش کے جتنے وسائل و ذرائع بھی اس کار عظیم کے لیے مطلوب ہیں وہ سب استعمال ہونے چاہئیں۔ جب تک آدمی یہ اطمینان نہ کر لے کہ اس راہ کا کوئی پتھر بھی اب ایسا نہیں رہ گیا ہے جو الٹانہ جا چکا ہو اس وقت تک زبان نہ کھولے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ: "أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو" "میں اپنے رائے سے اجتہاد کروں گا اور حقیقت تک پہنچنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔"[۱]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کو رائے ہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لیکن یہ رائے کتاب و سنت کے اشارات اور نظائر و قیاسات پر مبنی ہوتی ہے اور اس کا قائم کرنے والا کتاب و سنت کا ایک ماہر اور دین کا ایک رمز شناس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا درجہ اس رائے سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو کسی معاملہ میں ایک عام آدمی مجرد عقل و فہم کی مدد سے قائم کرتا ہے۔

ایک ذی علم اور ذی شعور مسلمان کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ نئے پیش آنے والے حالات و واقعات کے بارہ میں اسلام کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اس پر تو شریعت کی طرف سے یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ جن پچھلے اجتہادات پر عمل پیرا ہے ان کا بھی برابر جائزہ لیتا رہے کہ کس حد تک اسلام کے اصل ماخذ قانون (کتاب و سنت) سے موافقت رکھتے ہیں۔ اس کے بغیر حیات ایمانی کے اصل سرچشموں یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان کا تعلق نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔[۲]

اجتہاد کی قدر و قیمت کا اندازہ کتاب و سنت سے دلائل استنباط سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر قوی ہے تو اجتہاد قوی ہے اور اگر ضعیف ہے تو اجتہاد ضعیف ہے۔ اسی وجہ سے اہل علم کے لیے کسی اجتہاد کو بلا چوں چرا ان مان لینا صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر صاحب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی ایک دلیل بنائیں۔ ہمیں ان تینوں مسلکوں کی روح دیکھنی چاہئے اور جس دیانت اور جس احترام سنت کو ہم پیش نظر رکھ کر ان میں سے کسی مسلک کو اختیار کریں گے تو ان شاء اللہ وہی سنت کا راستہ ہوگا اور اس کے اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی۔[۳]

---

(۱) ابو داود، سلیمان بن أشعث السبحستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ /۸۱۷۔۸۸۹ء) سنن ابی داود،۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ /۱۹۹۴ء، کتاب الأقضیة، بَابُ اجْتِهَادِ الرَّأْيِ فِي الْقَضَاءِ (۳: ۳۰۳، رقم: ۳۵۹۲)۔

(۲) اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۶۳ء (۶۱)۔

(۳) ایضاً (۳۱، ۳۰)۔

قرآن حکیم سے اجتہاد کا ثبوت

وحی اپنی مختلف حیثیتوں سے اسلامی قانون کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ فقہاء اسلام نے اثبات اجتہاد کے لیے بہت ذہانت کے ساتھ قرآن حکیم سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً حالت سفر میں جب انسان کسی ایسے مقام پر ہو جہاں قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو نماز پڑھنے سے قبل قبلہ کا رخ جاننے کے لیے اسے تحری کا حکم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے تمام حواس کو استعمال کر کے یہ جاننے کی خوب کوشش کرے کہ قبلہ کس طرف ہو سکتا ہے۔ چاند اور سورج یا ستاروں کی گردش سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کس جہت میں واقع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ البقرہ کی آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ﴾

"اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو۔"[۱]

اجتہاد کے ثبوت میں قرآن حکیم کی یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔"[۲]

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ان کے درمیان باہم اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیں۔ یعنی اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کریں کیونکہ یہی استنباط احکام کے بنیادی ماخذ ہیں۔ اسی لیے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ کسی مسئلہ کے بارے میں تنازع پیدا ہو جائے اور قرآن و سنت میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اہل علم کو چاہیے کہ وہ درپیش مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں قیاس و اجتہاد

---

(۱) البقرہ: ۱۵۰

(۲) النساء: ۵۹

کے ذریعہ تلاش کریں۔

حدیث سے اجتہاد کا ثبوت

اجتہاد کے ثبوت میں سب سے اہم حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ہے جس کا آخری حصہ براہِ راست اجتہاد سے متعلق ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن وسنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ میں ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور وفکر کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا:

«الْحَمْدُ لله الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ الله (ﷺ) لِمَا يَرْضَي رَسُولُ الله(ﷺ)» [1]

"خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے شخص کو اس امر کی توفیق بخشی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو۔"

تو ثابت ہوا کہ جب بھی کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو تو اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اجتہاد کے ثبوت میں دوسری حدیث حضرت عمرو بن العاص صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے۔ جسے صحاح ستہ کے تمام محدثین نے نقل کیاہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» [2]

"جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتاہے۔"

یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ کرتاہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے زیر غور مسئلہ میں خوب غور وفکر (اجتہاد) کرلیتاہے

---

(۱) سنن أبي داود،كتاب الأقضية، بَابُ اجْتِهَادِ الرَّأْيِ فِي الْقَضَاء(۳: ۳۰۳،رقم:۳۵۹۲)۔

(۲) البخاري، ابو عبد الله محمد بن اسماعيل (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء) صحيح البخاري، بيروت، لبنان ، كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ(۶: ۲۶۷۶،رقم:۶۹۱۹)؛ مسلم، ابن الحجاج ابو الحسن القشيری النيسابوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔الصحیح۔بیروت،لبنان:دار احیاء التراث العربی، كتاب الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ(۳ :۱۳۴۲، رقم:۱۷۱۶)۔

(ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے لیتا ہے) اور صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اور اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو بھی اسے ایک اجر ضرور ملتا ہے۔

اجتہاد کی قسمیں

فقہاء کے ہاں اجتہاد و قیاس کے باب میں تین اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۵۰۵ھ)، امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۷۹۰ھ) اور دوسرے علماء اصول فقہ نے اجتہاد کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ یہ تقسیم مناط حکم یعنی اس علت کے اعتبار سے کی گئی ہے جس پر حکم شرعی کا دارومدار ہوتا ہے۔

ا۔ تنقیح المناط

'تنقیح المناط' کا معنی یہ ہے کہ مجتہد یہ دیکھتا ہے کہ کسی خاص واقعہ میں شارع نے ایک حکم دیا ہے۔ اس واقعہ میں اس حکم کی علت بننے کے قابل مختلف اوصاف ہیں۔ اب وہ غیر معتبر اوصاف کو اور معتبر وصف کو جدا جدا کر دیتا ہے جس سے وہ وصف متعین ہو جاتا ہے جو اس واقعہ میں حکم کی علت بنا ہے۔

"الحاق الفرع بالاصل بالغاء الفارق"[1]

"فرع کو اصل کے ساتھ کسی خاص امتیاز کی بناپر متعلق کرنا۔"

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"وذلک ان یکون الوصف المعتبر فی الحکم مذکورا مع غیرہ فی النص فینقح بالاجتہاد حتی یمیز ماھو معتبر مما ھو ملغی"

"یہ اس طرح ہے کہ ایک ایسا وصف جو مذکورہ حکم میں دیگر اوصاف کی بجائے معتبر ہو، تو وہ اس طرح اپنی اجتہاد سے کسی معتبر وصف کا تعین کر کے اس کی علت بیان کرتا ہے۔"[2]

جیسے ایک دیہاتی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے رمضان میں بیوی سے صحبت کر لی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم دیا۔ یہاں کفارہ کی علت مختلف اوصاف بن سکتے ہیں: مثلاً اس کا اعرابی ہونا، بیوی سے صحبت کرنا، خاص اس سال کے رمضان میں واقعہ پیش آنا۔

---

(۱) شوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی ۱۲۵۵ھ، ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء (۲: ۱۴۱)۔

(۲) شاطبی، ابراھیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۷۹۰ھ) الموافقات فی اصول الشریعۃ، دار المعرفۃ، بیروت (۴: ۹۵)۔

مجتہد سوچ بچار سے ان میں سے ایک ایسے وصف کو علت قرار دیتا ہے جو معتبر ہے اور وہ بیوی سے صحبت کرنا ہے۔ اس لیے کہ دیہاتی ہونا کوئی ایسا وصف نہیں جو حکم کفارہ کی علت بن سکے۔ اسی طرح خاص رمضان میں ہونا بھی کوئی معتبر وصف نہیں، اب متعین ہو گیا کہ رمضان میں بیوی سے صحبت کرنا حکم کفارہ کی علت ہے۔

۲۔ تخریج المناط

نص میں ایک حکم ہو لیکن شارع نے یہ نہ بتایا ہو کہ اس حکم کی علت کیا ہے؟ مجتہد اپنے جتہاد سے علت متعین کرے یہ 'تخریج مناط' ہے۔

"هو الإجتهاد القياسي" "تخریج المناط مجتہد کا اپنی رائے علت کا تعین کرنا ہے۔"[۱]

دونوں میں فرق یہ ہے کہ تنقیح میں بحیثیت مدار حکم ان اوصاف کو نظر انداز کیا جاتا ہے جو علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور تخریج میں اس وصف کو دلائل کے ذریعے متعین کیا جاتا ہے جو علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شارع نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ مجتہد نے غور کیا کہ اس کی علت کیا ہے؟ تو اس پر یہ واضح ہوا کہ اس کی علت دو محرم عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ہے۔ لہذا کسی بھی دو محرم رشتہ دار عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام قرار پایا۔

یوں 'تنقیح' اور 'تخریج' میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ 'تنقیح' میں وہ وصف مختلف اوصاف کے درمیان ہوتا ہے جبکہ 'تخریج' میں اس کا موثر ہونا بالکل واضح ہوتا ہے اور اس میں تنقیح و تہذیب کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

۳۔ تحقیق مناط (تعبیر و انطباق)

حکم شرعی کو صحیح طور پر سمجھنے اور پیش آمدہ مسائل پر اس کے انطباق کے لیے اجتہاد کرنا 'تحقیق المناط' ہے۔ اس بارے اصولیین بیان کرتے ہیں:

"وهو أن يقع الاتفاق على علية وصف بنص أو اجماع فيجتهد فى وجودها فى صورة النزاع كتحقيق ان النباش سارق"[۲]

---

(۱) نجم الدين الطوفي، سلمان بن عبد القوى بن عبد الكريم(۷۱۶ھ)، شرح مختصر الروضة، بيروت، لبنان ، ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۷ء(۳: ۲۴۲)۔

(۲) شوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی ۱۲۵۵ھ،ارشادالفحول،بیروت لبنان ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء(۳۷۵)۔

"یعنی 'تحقیق مناط' یہ ہے یہ کسی وصف کے علت ہو جانے پر نص کے ذریعے یا اجماع کے ذریعے اتفاق ہو جائے پھر مجتہد اس علت کو غیر منصوص پیش آمدہ مسئلہ میں تلاش کرے جیسے یہ اجتہاد کہ کفن چور، چور ہے۔"

چونکہ حد سرقہ میں ہاتھ کاٹنے کی علت چوری ہے جبکہ کفن چور پر مجتہد نے چوری کا حکم اس لیے لگایا کہ کفن چور نے بھی چور کی طرح خفیہ طور پر حفاظت میں رکھی ہوئی چیز کو چرایا ہے۔

حکم کے نفاذ کے لیے موقع و محل کی تعیین بھی اجتہاد ہے۔

"ان یثبت الحکم بمدرکه الشرعی لکن یبقی النظر فی تعیین محله"[1]

"تحقیق المناط یہ ہے کہ حکم اپنی جگہ شرعی طور پر ثابت ہو لیکن اس کے محل کی تعیین میں غور و فکر کا کام باقی ہو۔"

یعنی 'تحقیق المناط' کی ایک صورت یہ ہے کہ منصوص حکم سے علت لے کر جاری کرنی ہے۔ جیسے اشیاء ستہ میں سود کی حرمت کی علت کو دیگر اشیاء میں جاری کرنا۔ دوسری شکل یہ ہے کہ حکم و علت سب کچھ موجود ہے لیکن اس کے نفاذ کے لیے موقع و محل کی تعیین کا کام باقی ہے کہ یہ موقع و محل اس حکم کے نفاذ کا متحمل ہے یا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اولیات یا ہر حالات و زمانہ کی رعایت والے احکام اسی قبیل سے ہیں۔

شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال یوں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جیسے گواہی میں شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اب عدل کا ایک درجہ تو وہ تھا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں موجود تھا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے کہ انسان کفر کی حد کے قریب ہو۔ اس کے درمیان بہت سے درجات ہیں تو اب یہ متعین کرنا کہ عدالت کا کون سا مفہوم متوسط ہے جسے معیار بنایا جائے۔ تحقیق مناط اجتہاد کا وہ درجہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔"

اجتہاد کی شرائط

اجتہاد کی دینی و شرعی اور علمی و اخلاقی اہمیت کے سبب سے اس کے لیے اصول فقہ کی کتابوں میں کچھ شرطیں بیان ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ' اصول الفقہ الاسلامی ' کے باب:۷، 'الإجتهاد و التقليد ' مین اس پر مفصل بحث کی ہے۔[2]

اگر شرطوں کو اصطلاحی الفاظ سے الگ کر کے سادہ الفاظ میں پیش کیا جائے تو یہ تین شرطیں ہیں:

---

(۱) شاطبی، الموافقات (۴: ۹۰)۔

(۲) وهبة الزحيلی ، اصول الفقه الإسلامی (۲: ۱۰۳۱-۱۱۶۸)۔

۱۔اجتہاد کا اہل وہ شخص ہے جس کو کتاب وسنت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔
۲۔وہ پیش آمدہ حالات و مسائل کہ تہ تک پہنچنے والا ہو اور ان کے مالہ وماعلیہ کو اچھی طرح سمجھنے والا ہو۔
۳۔وہ اپنے اخلاق وسیرت کے لحاظ سے ایک قابل اعتماد آدمی ہو تاکہ لوگ اپنے دین کے معاملہ میں اس پر اعتماد کر سکیں۔[۱]

اسلامی قانون کے ماہرین نے اجتہاد کی جو تعریف کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اجتہاد کسی مجتہد اور فقیہ کی اس علمی تحقیق و کاوش اور پوری علمی قوت صرف کرنے کو کہتے ہیں جو غیر منصوص مسائل (نئے مسائل) کے احکام شریعہ معلوم کرنے لیے کی جائے۔

اصولیین کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے فقہی طور پر معتبر ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:
۱۔اجتہاد کرنے والا فقیہ اور مجتہد کی شرائط پر پورا اترتا ہو۔
۲۔فقیہہ و مجتہد اپنی پوری علمی قوت کو صرف کر دے۔
عام طور پر مجتہد کے لیے مسلمان، عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے۔[۲]
جبکہ بطور خاص علمائے اصولیین نے مجتہد کے لیے ان آیات کی معرفت کو ضروری قرار دیا ہے جو احکام سے متعلق ہیں۔ نیز کتاب اللہ کی معرفت کے ذیل میں ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول کی معرفت بھی ضروری ہے۔[۳]
۳۔زیر تحقیق مسئلہ غیر منصوص ہو یعنی نیا مسئلہ ہو۔
یہاں میں یہ امر واضح کروں کہ در حقیقت اجتہاد کی تین اقسام ہیں:
۱۔اجتہاد بیانی ۲۔اجتہاد قیاسی ۳۔اجتہاد استصلاحی

اجتہاد کے اسالیب میں سے سب سے مضبوط مستحکم اور محفوظ اسلوب قیاس ہے۔ امام ابو بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کسی غیر منصوص پیش آمدہ مسئلہ پر منصوص حکم کی علت کی بناء پر اصل کے مطابق نئے پیش آمدہ مسئلہ

---

(۱) قانون کی تدوین (ص۵۸)۔
(۲) رزکشی، محمد بن بہادر، البحر المحیط، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۴ھ (۴: ۲۷۴)۔
(۳) جصاص، ابوبکر أحمد بن علی الرازی، الفصول في الأصول، کویت، وزارۃ الأوقاف، ۱۴۱۴ھ (۴: ۲۷۴)؛ الباجی، ابو الولید سلیمان بن خلف، احکام الفصول في أحکام الأصول، بیروت لبنان، ۱۹۸۹ء (۲: ۷۳۶)؛ قراقی، احمد بن ادریس، نفائس الاصول في شرح المحصول، ریاض، المملکة السعودیة العربیة، مکتبۃ المصطفی نزار الباز، ۱۹۹۷ء (۹: ۱۴۱۴)۔

پر حکم لگانا اجتہاد قیاسی ہے۔[1]

انسانی مصلحت اور ضرورت کی بناء پر استنباط احکام کے منہج کو 'اجتہاد استصلاحی' کہتے ہیں۔ سلطان العلماء علامہ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وَالشَّرِيعَةُ كُلُّهَا مَصَالِحُ إِمَّا تَدْرَأُ مَفَاسِدَ أَوْ تَجْلِبُ مَصَالِحَ"

"شریعت سراسر مصلحتوں پر مبنی ہے۔ یا تو مفاسد ختم کرتی ہے یا مصلحتوں کو حاصل کرتی ہے۔"[2]

اسی طرح اجتہاد کی ایک اور قسم 'استحسان' بھی اصولیین بیان کرتے ہیں۔ 'استحسان' کے اصول میں بنیادی فلسفہ لوگوں کو پیش آمدہ نئے مسائل میں حائل مشکلات اور دشواریوں کو دور کر کے ان کے اجتماعی امور میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ اس کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے مولانا یوسف فاروقی لکھتے ہیں:

"جدید دور میں استحسان کا اصول بہت ناگزیر ہو گیا ہے۔ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو بذریعہ قیاس حل نہیں کئے جاسکتے انہیں استحسان ہی کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔"[3]

اس کی مثالوں میں فاروقی صاحب نے انتقال خون، آپریشن اور پوسٹ مارٹم کا ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کی تین اقسام کو یوں بیان کئے ہیں:

الأول :الاجتهاد البياني -وذلك لبيان الأحكام الشرعية من نصوص الشارع.

الثاني :الاجتهاد القياسي–وذلك لوضع الأحكام الشرعية للوقائع الحادثة مما ليس فيها كتاب ولا سنة، بالقياس على ما في نصوص الشارع من أحكام.

الثالث :الاجتهاد الاستصلاحي -وذلك لوضع الأحكام الشرعية أيضا، للوقائع الحادثة مما ليس فيهاكتاب ولا سنة، بالرأي المبنى على قاعدة الاستصلاح .

"پہلی قسم: اجتہاد بیانی: نصوص میں سے شرعی احکام کو اخذ کرنا اجتہاد بیانی ہے۔

دوسری قسم: اجتہاد قیاسی: احکام شارع کی بناء پر نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے قیاس کے ذریعے احکام اخذ کرنا اجتہاد قیاسی ہے۔

---

(۱) الفصول فی الأصول، کویت، وزارة الأوقاف الكويتية: ۱۹۹۴ء (۴: ۱۰)۔

(۲) عز الدین ، ابو محمد، عبد العزيز بن عبد السلام بن ابی القاسم بن الحسن السلمی الدمشقی ، الملقب بسلطان العلماء (۶۶۰ ھ)، قواعد الأحكام فی مصالح الأنام، دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۱ء (۱: ۱۱) ۔

(۳) فاروقی، مولانا، محمد یوسف، اجتہاد مناہج واسالیب، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، پاکستان، ۲۰۰۹ء (ص: ۶۰)۔

تیسری قسم: اجتہاد استصلاحی: استصلاح کے قاعدہ کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل جو کتاب وسنت میں موجود نہ ہو کے لیے حکم اخذ کرنا اجتہاد استصلاحی ہے۔"[۱]

نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے میں فقہاء و مجتہدین کی گراں قدر کاوشیں

آج فقہ کی شکل میں اسلامی قانون کا جو ایک وسیع اور گراں قدر ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے، وہ دراصل فقہاء کی اجتہادی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ زمانے کے تغیر کے ساتھ اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومتوں کو جن نئے مسائل و معالات کا سامنا کرنا پڑا ہمارے فقہاء و مجتہدین نے اسلامی شریعت کی روشنی میں ان کا حل تلاش کیا اور اس طرح اسلامی قانون میں وسعت پیدا ہوتی رہی۔

دراصل قرآن وسنت کی محدود نص سے لامحدود مسائل کے حل کے لیے ایک شاندار اور پائیدار علم اصول فقہ کی صورت میں وجود میں آیا۔ اس میں قرآن وسنت، اجماع و قیاس جیسے بنیادی مآخذ اور عرف، استحسان و مصالح مرسلہ وغیرہ جیسے ثانوی مآخذ پر مفصل تحقیق کی گئی۔ پھر ان مآخذ کی بنیاد پر فروعات یعنی جزوی مسائل کا ایک عظیم ذخیرہ فقہ کی صورت میں وجود میں آیا۔ علم اصول فقہ میں اجتہاد کے ضوابط متعین کئے گئے۔ اجتہاد کی تعریف سے لے کر اس کی شرائط تک کی تفصیلات طے کی گئیں تاکہ غالی، مبطل اور جاہل لوگ اجتہاد کی آڑ میں احکام شریعت کو تختہ مشق نہ بنالیں اور اپنے تئیں مجتہد ہونے کے دعویدار نہ بن بیٹھیں۔

ہر دور میں آنے والے علماء نے اپنے پیش رو علماء جو علم و تقویٰ میں برتر تھے، کے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے، انہی کی بیان کردہ فروعات میں گہرے غور و فکر کے ذریعے اپنے دور کے پیش آمدہ مسائل کے امثال و اشباہ تلاش کئے۔ پھر جہاں ائمہ اسلاف کے ہاں کوئی مثیل و شبیہ نہ ملی وہاں استحسان، عرف و عادت اور مصالح مرسلہ وغیرہ سے مدد لیتے ہوئے جدید مسائل کا حل پیش کیا۔

مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فكثير من الاحكام يختلف باختلاف الزمان لتغير عرف أهله أو حدوث ضرورة أو فساد أهله بحيث لو بقى الحكم على ما كان عليه أولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف القواعد الشرعية المبنية على التخفيف والتيسير و دفع الضرر والفساد لبقاء العالم

---

(۱) الدواليبي ،د.معروف، المدخل إلى علم أصول الفقه، الطبعة الثالثة، مطبعة دمشق، ط - ۱۹۵۹ (ص: ۷۵) ؛ الفقه الإسلامي وأدلته(۲ : ۱۰۴۰)۔

علی اتم نظام واحسن احکام"[۱]

"بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں، اس لیے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لیے ضرر کا باعث ہو جائے گا اور ان شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہو جائے گا جو سہولت و آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کے لیے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہیں۔"

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مسائل پر جذباتی ہوئے بغیر، سنجیدگی کے ساتھ مثبت انداز میں غور کیا جائے، افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ اور ایسے مسائل پر غور کرتے ہوئے ان لوگوں میں جو محض اپنی تجدد پسندی میں پورے دین کا بخیہ ادھیڑنے میں مصروف ہیں اور ان لوگوں میں جو دین کے معاملہ میں مخلص ہیں اور دین کے حدود دار بعہ میں رہتے ہوئے کوئی بات کہتے ہیں، فرق ملحوظ رکھا جائے۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی صورتیں

معاشرتی زندگی سے متعلق جدید مسائل کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ آج انسانیت کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کی انفرادی اجتہادی کاوشوں کے بجائے اجتماعی سطح پر اجتہاد کے کام کو فروغ دیں۔ بہت سے حالات وواقعات اس طرح باہم مربوط اور ایک دوسرے پر موقوف ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے ربط و تسلسل کو نہ سمجھا جائے متعلقہ مسائل میں مجتہدانہ اور مبصرانہ نظر نہیں پیدا ہو سکتی۔ اسی طرح بعض مسائل اس قدر انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ان کا اجتماع سے تعلق جوڑنے اور اجتماعی نقطہ نگاہ سے ان کا حل ڈھونڈنے میں بڑی دقت نظری اور انتہائی کاوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن معاشرتی اور اجتماعی مسائل پر قوموں کی بقاء کا انحصار ہوتا ہے انہیں حل کئے بغیر قومی وملی زندگی کی بقا ناممکن ہوتی ہے۔

معاشرتی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اسلامی النقطہ نگاہ مغربی مفکرین کے نقطہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔ دور جدید میں مغرب کا انداز فکر یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کی رائے کو قانونی حیثیت مل جاتی ہے خواہ وہ معاملہ دینی و مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے کتنا ہی ناجائز کیوں نہ ہو۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے قانون کا سرچشمہ ہدایت الٰہی ہے۔ ائمہ اسلام ہر مسئلہ حل اور اس کی بنیاد قرآن وسنت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

(۱) ابن عابدين، محمد امين افندي،رسائل ابن عابدين،مكتبة الهاشمية ،دمشق(۱: ۱۲۶) ۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"فلا بد من حدوث وقائع لا تكون منصوصًا على حكمها، ولا يوجد للأولين فيها اجتهاد، وعند ذلك؛ فإما أن يترك الناس فيها مع أهوائهم، أو ينظر فيها بغير اجتهاد شرعي، وهو أيضًا اتباع للهوى، وذلك كله فساد"(۱)

"یہ ضروری بات ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا صریح حکم نہ موجود ہو اور نہ پہلے لوگوں نے ان میں اجتہاد کیا ہو ایسی حالت میں اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ من مانی کاروائی کریں یا اجتہاد شرعی کے بجائے محض اٹکل کے تیر چلائیں تو یہ فساد اور ہلاکت و بربادی ہے۔"

ہدایت الٰہی کی تکمیل کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس میں ہر دور و زمانہ کے لیے جزئیات و فروع کی تفصیل اور موقع و محل کی تعیین کی گئی ہے بلکہ یہ کہ مجموعی حیثیت سے۔

۱۔عقائد کے قواعد ۲۔شرائع کے اصول ۳۔اقتضاء و مصالح کے مطابق استنباط کے قوانین میں اس کی تکمیل کی گئی ہے-جیسا کہ فقہاء نے آیت ﴿ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ ﴾ "آج میں نے تمہارا دین کامل و مکمل کر دیا" کا محل ان ہی تینوں کو قرار دیا ہے۔

"هوالتنصيص على قواعد العقائد والتوقيف على اصول الشرع وقوانين الاجتهاد لاادراج حكم كل حادثة فى القرآن"(۲)

"دین کی تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ اس میں قواعد کی تصریح ہے، شرائع کے اصول بیان ہوئے ہیں اور اجتہاد کے قوانین کی نشاندہی کی گئی ہے یہ نہیں ہے کہ ہر جزئی واقعہ و حادثہ کا حکم قرآن حکیم میں موجود ہے۔"

عصر حاضر میں بہت سے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کے حل کے لیے اگرچہ مروجہ فقہی رہنمائی ناکافی معلوم ہوتی ہے لیکن ہدایت الٰہی کی روشنی میں ضرورت کے مطابق اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ انہیں حل کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے علمی و تحقیقی مراکز اور فقہی اکیڈمیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے جو اجتماعی اجتہاد کے اس کام کو آگے بڑھا سکیں۔

اجتماعی اجتہاد اور اجتماعی فتوی کی ضرورت اس لیے ہے کہ انفرادی اجتہاد نیز انفرادی فتوی امتِ مسلمہ کے انتشار کا باعث بن رہا ہے، جبکہ اجتماعی اجتہاد اور فتویٰ امت مسلمہ کے اتحاد کا باعث ہے۔

ڈاکٹر طاہر منصوری رقم طراز ہیں:

---

(۱) الموافقات(۴: ۱۰۴)۔

(۲) تلویح(ص:۵۰)۔

"آج کے عالم وفقیہ کو جن مسائل و امور کا سامنا ہے، وہ ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ گنجلک اور پیچیدہ ہیں۔ وہ اس قدر متنوع ہیں کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان متنوع مسائل و امور کا کماحقہ ادراک اور ان کی شرعی حیثیت کا تعین ایک فرد کے لیے عملاً ناممکن ہے۔ یہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ آج کا اجتہاد محض علماء کی انفرادی کاوشوں کا مرہون منت نہ ہو بلکہ اجتماعی سطح پر علماء کی مجالس کے ذریعے ہو۔ اجتہاد کا کام فقہی اکیڈمیاں اور ادارے انجام دیں۔ ان اداروں میں عالم اسلام کے جید و ممتاز علماء کو نمائندگی حاصل ہو علماء کے علاوہ مختلف عصری علوم اور تخصصات کے ماہرین بھی اس مشاورتی عمل میں شریک ہوں جو زیر بحث مسئلے کو فنی نقطہ نظر سے سمجھنے میں علماء کی مدد کریں۔ یہ تمام افراد مل کر امت مسلمہ کے اجتماعی زندگی کے مسائل پر شرعی نقطہ نظر سے غور وفکر کریں اور پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل دریافت کریں۔ اس طرح کا ایک منظم اجتماعی و شورائی اجتہاد ہی فقہ اسلامی کی معاصر ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔"[1]

آج کے عالم وفقیہ کو جن اجتہاد طلب مسائل کا سامنا ہے ان کا تعلق مختلف النوع موضوعات سے ہے، ان موضوعات کا ادراک و احاطہ اور ان میں مہارت تامہ ایک عالم وفقیہ کے لیے عملاً ناممکن ہے۔ اس نقص کا ازالہ اجتماعی مجالس کر سکتی ہیں۔ اجتماعی اجتہاد کی مجالس میں مختلف تخصصات کے علماء معروضہ مسئلے کو سمجھنے اور اس کے بارے میں شرعی نقطہ نظر متعین کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اجتماعی اجتہاد کے لیے معاصر اہل علم کی آراء

عالم اسلام کے ممتاز فقیہ علامہ مصطفی احمد زرقا لکھتے ہیں:

"آج کے عہد میں فقہ اسلامی کے مفاد میں ہے کہ نئے مسائل میں اجتہاد کیا جانے والا اجتماعی طرز کا ہو، اسلامی تاریخ کے روشن عہد کا انفرادی اجتہاد نہ ہو۔ یہ ایک اجتماعی مشارت کی شکل ہو جس میں عالم اسلام کے ممتاز علماء و فقہاء پیش آمدہ مسائل پر غور وخوض کریں۔"

عہد حاضر کے ایک اور جید فقیہ علامہ یوسف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہمیں جدید اور غیر معمولی اہمیت کے مسائل میں صرف انفرادی اجتہاد پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے مسائل میں ہمیں اجتماعی اجتہاد کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔" [2]

---

(۱) منصوری، ڈاکٹر طاہر، فقہ کی تشکیل میں اجتماعی اجتہاد کا کردار، عصر حاضر میں اجتہاد اور اس کی قابل عمل صورتیں، لاہور، شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، ۲۰۰۴ء (ص: ۷۰)۔

(۲) فقہ کی تشکیل میں اجتماعی اجتہاد کا کردار، عصر حاضر میں اجتہاد اور اس کی قابل عمل صورتیں (ص: ۸۲ تا ۸۴)۔

خلاصہ بحث

اجتہاد کے فروغ کے لیے چند عملی تجاویز

۱. پاکستان میں بعض ادارے اجتماعی اجتہاد کے فروغ میں بہت معاون ہوسکتے ہیں ان میں اسلامی نظریاتی کونسل ایک اہم ادارہ ہے اس نے بہت سی اہم سفارشات مرتب کی ہیں جو ہماری تاریخ کا حصہ ہیں اس ادارہ کو تھوڑی سی کوشش سے زیادہ موثر بنایا جاسکتا ہے۔

۲. شریعہ اکیڈمی (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی) جو پاکستان کی جامعات میں واحد ادارہ ہے اگر اس ادارے کو وسائل مہیا ہوں اور یہ ادارہ امت مسلمہ کو درپیش مسائل پر ملکی اور عالمی سطح پر سیمینار کا اہتمام کرے تو یہ ادارہ بھی اجتماعی سوچ و فکر کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

۳. دستوری اور قانونی مسائل پر وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں شریعہ اپیلٹ بینچ بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ فیڈرل شریعہ کورٹ کے کئی فیصلے اجتہادی نوعیت کے ہیں اسی طرح سپریم کورٹ کے شریعہ بینچ کے بعض فیصلے خصوصاً سود کی حرمت کے بارے میں اس کا طویل فیصلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

۴. ہمارے ملک کے مدارس میں دارالافتاء ایک منظم شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں ایک وقت میں کئی کئی مفتی حضرات خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ مدارس اب انٹرنیٹ اور ای میل کی سہولتوں سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر دینی مدارس کے دارالافتاء کے شعبوں کو ای میل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مربوط کردیا جائے اور تمام مفتی حضرات اہم فقہی امور پر باہمی مشوروں سے فتاویٰ جاری کیا کریں تو یہ عمل بھی اجتماعی اجتہاد کی طرف ایک قدم ہوگا اور اس کے ان شاءاللہ دوررس اثرات ہوں گے۔

۵. فقہ اسلامی کا ایک مستقل شعبہ او آئی سی کی زیر نگرانی قائم ہونا چاہئے۔ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر مہارت رکھنے والے اہل علم کی ایک ٹیم اس ادارہ کی مستقل ممبر ہو جو کل وقتی ارکان کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے۔ اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے وہ ادارے جو فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کا کام کررہے ہیں ان سب کو او آئی سی کے مجمع الفقہ الاسلامی کے ساتھ مربوط کردیا جائے۔ اس ادارہ کو جدید دور کی تمام سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ وہ عالم اسلام کے تمام اہم اداروں اور اہل علم سے رابطے رکھ سکیں اور اس ادارے کے توسط سے عالم اسلام کے فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل وغیرہ کا باہم تبادلہ ہوتا رہے۔ اس تبادلہ خیال اور بحث و تحقیق کے نتیجہ میں جن موضوعات پر اہل علم کا اتفاق ہوجائے انہیں متفق علیہ مسائل کے طور پر شائع کیا جاسکتا

ہے۔[1]

عصر حاضر میں الیکٹرانک ٹیکنالوجی کی بدولت علم کے بہت سے ایسے جدید ذرائع وجود میں آئے ہیں جس سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ ممکن ہے۔ لوگ اپنی سہولت کی خاطر ثانوی نوعیت کے مراجع پر قناعت کرتے ہیں۔ ائمہ اسلاف جیسا زہد وورع اور تقویٰ کا تو دور دور تک نام ونشان نہیں ہے۔ نفس پرستی، مسلکی تعصب اور احکام شریعت میں سہولتوں کی تلاش نے اسلامی تعلیمات کا اعلیٰ مقصد اوجھل کر دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے فقہاء کی عزیمت، خشیت الٰہی اور خدا کی رضا جوئی کا جذبہ عنقا ہو گیا ہے۔ علم وتحقیق اور زہد وورع اور تقوی وطہارت کے حامل لوگ خال خال ہی پائے جاتے ہیں۔ ان حالات میں پیش آمدہ جدید مسائل فقہیہ کے بارے میں انفرادی غور وفکر اور تدبر کے ذریعہ اجتہاد ممکن نہیں رہا کہ اس میں غلطیوں اور کوتاہیوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ موجودہ حالات میں صحیح طریقہ اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ اجتماعی اجتہاد ہے، کیونکہ اجتماعیت انفرادی کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کر دیتی ہے۔ مختلف علوم وفنون کے ماہر مجتہدین جب متعلقہ مسئلہ کے حل کے لیے اجتماعی کاوش کرتے ہیں تو اس سے بہتر نتائج کی توقع ممکن ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی اجتہاد کا یہ طریقہ امتِ مسلمہ کے اتحاد کا باعث بھی ہے۔

(۱) اجتہاد اور اس کے مناہج واسالیب، عصر حاضر میں اجتہاد اور اس کی قابل عمل صورتیں (ص: ۶۴ تا ۶۶)۔